شعب ابی طالب کا دور ابتلا
اور
وفات جناب خدیجہؑ و ابو طالبؑ

حجۃ الاسلام والمسلمین مولانا سید حسن نقوی صاحب قبلہ

حالات شعب ابو طالب علیہ السلام

پیغمبر اسلامؐ کو اظہار رسالت کے بعد سے مسلسل باطل قوتوں سے مقابلہ کرنا پڑ رہا تھا، تقریباً پورا عرب ایک طرف، دولت وقوت، کثرت واقتدار سب ہی کچھ تو یتیم جناب عبداللہ کے مقابلہ میں صف آرا تھے، لیکن یہ حقانیت کی قوت تھی یہ توحید کی برقی رو تھی جو جسم ودماغ رسولؐ میں ثبات واستقامت کی قوت بخش رہی تھی، کیسی قوت؟ کیسی استقامت جس نے باطل کی تمام اجتماعی قوتوں کو شکست دے دی آخر ہر طاغوتی قوت کو ہار ماننا پڑی۔ جس کا ثبوت یہ ہے کہ نفسیاتی طور پر اگر اپنے مقاصد کے مخالف کو انسان قائل معقول کر کے خاموش کر سکتا ہے، اس کی غلطی کا الفاظ سے اعتراف کرانے پر قادر ہوتا ہے، تو صرف دلیل وحجت ہی سے کام لیتا ہے، لیکن جب دلیل وبرہان کے مقابلہ میں اپنے اصولوں کو بال وپر شکستہ دیکھتا ہے، اس وقت پھر اصولوں کی شکست پر قوت جسمانی صرف کر کے پردہ ڈالنا چاہتا ہے۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ پیغمبر اسلام کو ذہنی اور جسمانی ایذا رسانی خود اس کا اعتراف واعلان ہے کہ اسلامی فلسفہ سے شرک کے اصول شکست خوردہ ہو چکے ہیں، اس مرحلے کے بعد ایک منزل وہ آتی ہے جب یہ محسوس کیا جاتا ہے کہ اب فاتح فلسفہ کا حامل تمام تکلیفیں برداشت کرنے کے بعد بھی اپنے مرکز فرائض سے نہیں ہٹایا جا سکتا اگر یہ صاحبان فہم میں رہا تو کسی باطل قوت کو صرف کرنے کے بعد بھی نہ تو اس کے اصول کو جھٹلایا جا سکتا ہے، اور نہ دوسروں کی نظر میں کھلے ہوئے سچ کو جھوٹ بنایا جا سکتا ہے اور نہ دلوں سے حقانیت کی طرف فطری کشش کا جذبہ مٹایا جا سکتا ہے، یہی وہ وقت ہوتا ہے جب باطل کوشش کرتا ہے کہ حق کا مبلغ انسانوں ہی میں نہ رہے، لوگوں کو اس کی بات سننے کا موقع ہی نہ ملے یعنی حق سامنے ہی نہ آئے تاکہ باطل کی حقیقت کا پردہ چاک ہونے سے بچ جائے، لہٰذا جو دنیا کے تمام شکست خوردہ افراد کا طرز عمل ہوتا ہے بالکل وہی طرز عمل مشرکین مکہ کا پیغمبر اسلام کے ساتھ آپ کو نظر آئے گا۔ اعلان رسالت کے بعد سے کیا کچھ زحمات پیغمبر اسلامؐ نے برداشت نہ کئے؟ کیا کیا طریقے رسولؐ کی زبان خاموش کرنے کے لئے نہ اختیار کئے گئے؟ جب تمام کوششیں کر کے مشرکین مکہ تھک گئے اور پیغمبرؐ سے حق فروشی کی کوئی قیمت طے نہ کر سکے یہ محسوس کر لیا کہ اب بڑھتا ہوا اسلامی اقتدار کسی طرح روکا نہیں جا سکتا حق کی مقبولیت نہیں ختم کی جا سکتی، اب یہ سپر انداختہ جماعت چاہتی ہے کہ مبلغ حق کا چراغ زندگی ہی خاموش کر دیا جائے حد ہو گئی کہ جناب حمزہ اپنے ایمان کا اعلان کر چکے۔ حبشہ کی طرف جن مسلمانوں نے ہجرت کی تھی، بڑے توقعات تھے کہ تحفہ تحائف، مخالفین کی شخصی وجاہت ضرور اثر دکھائے گی اور حبشہ سے مسلمان بے نیل مرام نکالے جائیں گے، لیکن وہاں بھی قسمت آزمائی کر دیکھی، حقانیت کی جگمگاہٹ نے تاریک سایوں کا وار نہ چلنے دیا، وہاں بھی صداقت کی فطری جاذبیت سے دل متأثر ہو کر اپنی اس مایوس کن صورت

حال کے بعد مشرکین نے اعلان رسالت کے آٹھویں سال (بقول علامہ مجلسی) یا بعثت کے ساتویں سال (بقول عبدالحق ابن سیف الدین دہلوی قادری) مشرکین مکہ کی ایک میٹنگ بلائی گئی۔ تمام اکابر قریش اس بزم میں جمع ہوئے، پہلے اپنے مصائب بیان کئے گئے ''قَدْاَفْسَدَ عَلَیْنَا اَبْنَائَنَاوَ نِسائَنَا'' (حافظ محمد بن یوسف شامی) غضب ہے کہ یہ رسول ہمارے بچوں اور ہماری ہی عورتوں کو خراب کر چکا، ہمارے بچے ہمارا کہا نہیں مانتے، اس کے حلقہ بگوش ہو گئے یہ چاہتا ہے کہ بہت سے خداؤں کو ایک بنا دے، ہم کو ہمارے خاندانی دین سے ہٹانا چاہتا ہے۔ اس کے بعد اسلام کے بڑھتے ہوئے اقتدار پر اظہار تشویش کیا گیا، پھر کہا گیا کہ کوئی ایسی تدبیر بتائی جائے جس سے اسلام کی دن دونی رات چوگنی بڑھتی ہوئی مقبولیت کا سد باب ہو سکے۔ پہلی رائے یہ ہوئی کہ رسولؐ اسلام کو قتل کر دیا جائے! لیکن (بقول عبدالحق) چونکہ پیغمبرؐ کو جناب ابوطالبؑ کی حمایت وحفاظت حاصل تھی لہٰذا کسی میں اتنی جرأت تو نہ ہو سکی کہ رسولؐ کو کوئی گزند پہنچا سکے بقول عبدالحق دہلوی سب کے سب جناب ابوطالبؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ، یا تو اپنے بھتیجہ کو ہمارے سپرد کر دیجئے اور یا ہم سے جنگ پر تیار ہو جایئے، ابوطالبؑ نے رسولؐ اسلام کو بلا کر صورت حال سے آگاہ کیا اور کہا کہ تم پر اپنی جان کی حفاظت فرض ہے نہ تم میں مقابلہ کی قوت ہے نہ مجھ میں اتنی سکت ہے؟ رسولؐ نے جواب دیا کہ چچا صرف آپ ہی کی حمایت ومدد کی تقویت پر میں نے یہ کام نہیں شروع کیا ہے بلکہ اللہ میرا حامی ومددگار ہے، اس نے مجھ کو اصلاح خلائق کا فرض سپرد کیا ہے، جب تک اس فریضہ کو ادا نہ کر لوں گا میں دم نہ لوں گا، اگر آپ فرض کی ادائیگی میں میری موافقت کریں گے، تو یہ آپ کی سعادت ہوگی، ویسے مجھ کو تو بس تائید ربانی کافی ہے۔ اتنا کہہ کر رسولؐ تو اس بزم سے باہر تشریف لے گئے، ابوطالبؑ پر رسولؐ کی اس گفتگو کا بڑا ہی اثر ہوا آپ رونے لگے، آپ نے رسولؐ سے فرمایا کہ تم اپنے کام میں مشغول رہو رب کعبہ کی قسم جب تک زندہ ہوں، کسی کی ہمت نہ ہوگی کہ تمہاری طرف نگاہ اُٹھا کر بھی دیکھ سکے، یہ کہہ کر ابوطالبؑ نے کچھ اشعار پڑھے جن کا مطلب یہ ہے کہ، خدا کی قسم کسی میں اتنی ہمت نہیں جو تمہاری طرف تند نگاہ سے دیکھ سکے، یہ پوری جماعت ہی چاہے کیوں نہ ہو؟ اس وقت تک جب تک کہ میں زیر خاک دفن نہیں کر دیا جاتا، خوب ڈنکے کی چوٹ پر اپنے کام کو انجام دو، ہرگز ہرگز کوئی اندیشہ وخوف نہ کھانا، خوش رہو، آنکھیں ٹھنڈی رہیں تمہاری اس فرض کی ادائیگی کی بنا پر۔ عبدالحق دہلوی کا خیال ہے کہ اس کے بعد خود جناب ابوطالبؑ بنی ہاشم وبنی عبدمناف کو لے کر شعب میں چلے گئے، لیکن حافظ محمد بن یوسف شامی کا خیال ہے کہ ''جب رسول کے قتل کی رائے بنی ہاشم اور بنی مطلب بن عبدمناف کی مخالفت کی بنا پر پایہ تکمیل تک نہ پہنچ سکی، تو دوسری رائے یہ پیش کی گئی کہ رسولؐ کو شہر بدر کر دیا جائے اور مکہ سے رسولؐ کو باہر نکال دیا جائے، اس رائے پر سب متفق ومتحد ہو گئے۔ لازمی طور پر پھر ان تمام افراد کی عدم موافقت ماننا پڑتی ہے جنھوں نے عملی طور پر اس پروگرام کی تکمیل میں مخالفت کی، یعنی جو رسولؐ اسلام کے ساتھ شہر بدر ہو گئے ماننا پڑے گا کہ وہ تمام افراد جس طرح قتل رسولؐ کی رائے کے مخالف تھے اسی طرح اخراج رسولؐ کے بھی مخالف رہے۔ تقریباً تمام قریش اس رائے پر متحد ہو گئے اور اس سلسلہ میں ایک عہد نامہ لکھا گیا۔ یہ عہد نامہ ابن اسحاق منصور بن عکرمہ یا ابن ہشام یا نضر بن حارث نے لکھا۔ نضر بن حارث کے لئے اسی بنا پر رسولؐ نے بد دعا کی جس کے بعد اس کی کچھ انگلیاں مفلوج ہو گئیں، بعض کا خیال ہے کہ بغیض بن عامر نے یہ تحریر لکھی جس کے بعد اس کا ہاتھ شل ہو گیا، بعض نے کہا کہ کاتب ہشام ابن عمرو بن حارث عامری تھے، یہ بعد کو مشرف باسلام بھی ہوئے۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اس تحریر کے مختلف نسخے تھے جو یا تو مختلف جگہوں پر بھیجے گئے یا مختلف اہم شخصیتوں کے پاس رہے، یا مخصوص اجتماعی جگہوں پر آویزاں کئے گئے اور ایک نسخہ سر بمہر کر کے خانہ کعبہ کے وسط

میں محفوظ رکھا گیا۔

مضمون عہد

پہلے تو رسول اسلام کی عداوت ودشمنی پر قسمیں کھائی گئیں، گویا کہ جب عداوت رسولؐ کے نقطہ پر متحد محسوس کئے گئے تو حسب ذیل مضمون کا عہد نامہ لکھا گیا: ''ہم سب بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کے ساتھ کھائیں پیئیں گے نہیں، ان سے بات چیت ترک کردیں گے، نہ ان سے کوئی چیز خریدیں گے اور نہ ان کے ہاتھ کوئی چیز فروخت کریں گے نہ ان میں اپنی لڑکی دیں گے، نہ ان سے لڑکی لیں گے، ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا چھوڑ دیں گے، صلہ رحم قسم کا کوئی برتاؤ ان کے ساتھ روا نہ رکھیں گے، اس سرزمین سے ان کو فائدہ اٹھانے نہ دیں گے، یہ معاہدہ اس وقت تک برقرار تصور ہوگا جب تک کہ بنی ہاشم مضطرب ہوکر محمدؐ کو ہمارے سپرد نہ کردیں اور ہم ان کو قتل نہ کردیں ان شرائط کے بعد یہ نوشتہ لپیٹا گیا، سب لوگوں نے اس پر اپنی اپنی مہریں لگائیں، اور خانۂ کعبہ کے وسط میں یہ تحریر لٹکا دی گئی۔ تمام ہی اکابر قریش نے اس تحریر پر دستخط کئے تھے ہاں ایک روایت کی بنا پر مطعم ابن عدی نے پوری جماعت سے اختلاف کیا، اور اس نوشتہ پر دستخط نہیں کئے اور کہا کہ یہ کھلا ہوا بنی ہاشم و بنی مطلب پر ظلم ہے اور میں اس ظلم میں شریک نہیں ہوسکتا۔ ان کے علاوہ بقیہ چالیس قریش کے سربرآوردہ شخصیتوں کی اس نوشتہ پر مہریں تھیں۔

جب اس عہدنامے کی اطلاع جناب ابوطالبؑ کو ہوئی، یا بقول حافظ محمد بن یوسف شامی، جب اس ترک موالات کی اذیتیں حد سے سوا ہوگئیں تو تمام بنی ہاشم نے ابوطالبؑ سے ان کوائف کی شکایت کی، یا بقول علامہ مجلسی، جب جناب ابوطالبؑ کو اس معاہدہ کی اطلاع ہوئی تو آپ نے تمام بنی ہاشم کو جمع کیا، یہ جماعت بھی چالیس آدمیوں پر مشتمل تھی اور فرمایا کہ ''حرم اور کعبہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر دشمن نے ایک کانٹا بھی رسولؐ کے پیر میں چبھو دیا تو تم سب کو قتل کردوں گا، اور یہ فرما کر تمام بنی ہاشم کو مع رسولؐ اسلام ایک پہاڑی درّہ میں لے کر قلعہ بند و محفوظ فرمادیا، اسی درہ کا نام شعب ابی طالبؑ ہے۔ مشرکین کو جب اطلاع ہوئی تو ان لوگوں نے درہ کے دہانوں پر پہرا بٹھا دیا تاکہ ان لوگوں کی نگرانی ہوسکے، یہ نہ ہو کہ کوئی ہمدرد آب وطعام چھپا کر پہنچا دے، یا راتوں کو چھپ کر بنی ہاشم درے سے باہر نکل آئیں اور درہ کے اندر کے آئندہ پروگراموں کی بھی اطلاع ملتی رہے...... یہ پابندی ہر موسم اور ہر زمانے میں برابر برقرار رہی، ہاں صرف دو موقع ایسے بیشک تھے جن میں شعب سے نکلنے کی اجازت تھی ایک حج کا موقع، اور دوسرا رجب کے مہینے میں عمرہ کا وقت!......اُدھر جناب ابوطالبؑ نے حفاظت رسولؐ کا یہ انتظام کیا تھا کہ پوری رات برہنہ تلوار لئے ہوئے رسولؐ کے سرہانے پہرا دیا کرتے تھے، اور پورے دن یہ فریضہ اپنے فرزندوں اور بھتیجوں کے سپرد کردیا تھا، پورے دن وہ لوگ حفاظت کرتے تھے، اتنی مستحکم تدبیروں کے بعد بھی، رات کو جس بستر پر رسولؐ آرام فرماتے تھے، جب رات کا کچھ حصہ بیت جاتا تھا تو رسولؐ کو ان کے بستر سے اٹھا کر اپنی اولاد میں سے کسی کے بستر پر سلا دیتے تھے اور اس کے بستر پر رسولؐ اسلام کو، تاکہ اگر کسی نے اول شب رسولؐ کو سوتے ہوئے دیکھ لیا ہے اور قتل کی نیت سے پردۂ شب میں رسولؐ پر حملہ کرے تو رسولؐ بچ جائیں اور کوئی دوسرا ہی قتل ہوجائے۔ اس طرح سو کر قربانی دینے میں علیؑ ہی پیش پیش نظر آتے ہیں اور آپ جب بستر رسولؐ پر لیٹتے تھے تو بہت ہی خوش ہوتے تھے، میں سمجھتا ہوں کہ یہ چیز رشتوں کے تقاضے کی بنا پر تصور نہیں کی جاسکتی، کیونکہ بہرحال باعتبار رشتۂ نسبی اولاد مقدم ہوتی ہے، بھتیجوں کی منزل بعد کو آتی ہے؟ یہ صرف احساس عظمت رسالت تھا۔ اعتراف منصب ہی کا عملی ثبوت تھا کہ اولاد بھتیجے پر بے دل ہوکر قربان کی جارہی تھی۔

یہی وہ وقت ہے جو ارباب فکر ونظر کے لئے ایک لمحہ فکریہ ہے، دیکھا تو یہ گیا ہے کہ اگر پڑوسی ملکوں سے بڑی بڑی عظیم الشان سلطنتوں کے تعلقات خراب ہوجاتے ہیں، تو چند دن میں

ملک ہتھیار ڈال دیتے ہیں، سپر انداختہ ہوجاتے ہیں، جب کہ خود اپنے مسائل حل کرنے کے لئے داخلی طور پر ملکی پیداوار ہی مدد و معاون بن سکتی ہے۔ لیکن ان وسائل کے بعد بھی حکومتیں ہار مان لیتی ہیں چہ جائے کہ اگر کسی بڑی سے بڑی طاقت کے پوری دنیا مخالف ہوجائے تو شاید ملک والے پورا ملک ہی دوسروں کے سپرد کردیں، خوشی خوشی اپنی گردنیں طوق غلامی کے لئے حاضر کردیں یہ کیفیت منظم حکومتوں کی ہوگی جب کہ خود ان کے اپنے وسائل بھی بقائے حیات کے لئے ہوں گے۔ اب تصور کیجئے کہ مٹھی بھر مختصر جماعت، جن کے پاس شعب میں وسائل معاش کچھ بھی نہیں، پھر پوری دنیا سے جن کا رابطہ منقطع کردیا گیا ہے، جن کے پاس اپنے داخلی وسائل معاش کچھ بھی نہیں، یہ بھی نہ تھا کہ پہلے سے مستقبل میں پیدا ہونے والی صورت حال سے یہ تمام افراد مطلع تھے، اور ماضی ہی میں مستقبل کے لئے ذخیرہ کرچکے تھے، اب تصور فرمایئے کہ چالیس افراد کے لئے تمام ضروریات زندگی کیونکر فراہم کئے جاتے تھے، مکہ کا وہ پتھریلا علاقہ جہاں منزلوں پانی میسر نہ آتا تھا وہاں صرف کھانے پانی ہی کا انتظام کیونکر ہوتا تھا، پھر عرب کے دستور کی بنا پر ماننا پڑے گا کہ صرف راکب ہی شعب میں نہ تھے بلکہ مرکب بھی ساتھ رہے ہوں گے، ان سب جانداروں کے لئے وسائل حیات فراہم کرنا نہیں؟ کوئی صاحب یہ تصور نہ فرمائیں کہ معاہدہ تو مکہ والوں نے کیا تھا، لیکن جو باہر سے تجارتی قافلے آتے ہوں گے، بنی ہاشم ان سے خرید و فروخت کرکے اپنے ضروریات بھر اشیائے خوردونوش فراہم کرلیا کرتے ہوں گے۔ مشرکین مکہ کا یہ کھلا ہوا اعلان تھا کہ جو بھی بیرونی تجارتی جماعت بنی ہاشم کے ہاتھ خرید وفروخت کرے گی اس کا تمام مال تباہ و برباد کردیا جائے گا ہاں اگر یہ پابندی صرف مثلاً، ہتھیاروں پر اور دوسرے آلات حرب پر عائد ہوتی تو کسی حد تک معقول اور بقائے زندگی کے لئے مضر بھی نہ ہوتی! مگر صرف آلات جنگ ہی پر پابندیاں نہیں تھیں بلکہ روزمرہ کے مصرف کی چیزوں پر، حد ہوگئی کہ اشیا خوردونوش پر بھی یہی سخت پابندی لگی ہوئی تھی۔ ابوجہل عاص ابن وایل، نضر ابن حارث، عقبہ ابن ابی معیط، یہ تمام لوگ سرراہ جا کر بیٹھ جاتے تھے اور ہر نو وارد تجارتی قافلہ کے سامنے مکہ والوں کا متحدہ اعلان دوہرا دیتے تھے، کہتے تھے کہ اگر تم نے بنی ہاشم سے کچھ خریدا یا کچھ بھی ان کے ہاتھ بیچا تو تمہارا سارا مال تجارت تباہ و برباد کردیا جائے گا اب بھلا کس غریب الوطن مسافر جماعت میں اتنی جرأت و ہمت تھی جو اس اعلان کی مخالفت کرتا، لٹتا اور مکہ جیسی تجارتی منڈی سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہاتھ دھوتا۔ شعب ابی طالبؑ کے نظر بند افراد کے لئے یہ چیز انتہائی تکلیف دہ تھی لیکن رسولؐ اسلام پر نفسیاتی طور پر دوہری اذیت گزرتی ہوگی، کیونکہ آپ یہ محسوس فرماتے رہتے ہوں گے کہ میری ہی حمایت میں تمام میرے افراد خاندان ان مصائب کا سامنا کررہے ہیں خود اپنے اوپر بھی مصائب وآلام پھر دوسروں کے کوائف کا بھی اثر، لہٰذا تصور کیجئے کہ رسولؐ اسلام کے دل و دماغ پر کیا گذر رہی ہوگی؟ کیونکر اس پوری جماعت کے لئے خوردونوش، لباس اور دوسرے ضروریات زندگی فراہم کئے جاتے تھے۔ ہاں یہ ٹھیک ہے کہ جناب خدیجہؑ جیسی ملکتہ التجار، عرب کی امیر کبیر عورت رسولؐ کی زوجہ تھی، جناب خدیجہ کی لا انتہا دولت کا ایک وافر حصہ اسی دور ابتلا میں کام آیا، لیکن اس دور کا بڑا مسئلہ دولت نہ تھا، بلکہ عظیم مسئلہ دولت کے عوض اشیاء خوردونوش فراہم کرنا تھا! ظاہر ہے کہ درہم و دینار سونے اور چاندی کے انبار کسی بھوکے کا پیٹ نہیں بھر سکتے اور نہ ہیرے جواہرات کی تڑپ کسی پیاسے کی پیاس بجھا سکتی ہے، نہ کسی برہنہ کے لئے لباس بن سکتی ہے! اسی نقطے پر نظر کرکے جناب ابوطالبؑ کے حسن تدبیر کا قائل ہونا پڑتا ہے، یعنی جناب خدیجہؑ کا کارنامہ، بے دریغ دولت خرچ کرنا، اور جناب ابوطالبؑ کا کارنامہ وسائل زندگی فراہم کرنا۔

بنی ہاشم پر کچھ ایسے ایسے شدائد گذرے تھے کہ دوستوں کا کیا ذکر خود دشمن تک لرزہ براندام ہوگیا تھا۔ اکثر جب ہاشمی و مطّلبی بچے بھوک پیاس کی شدت سے راتوں کو تڑپ تڑپ

کر روتے تھے تو قریش سو نہیں سکتے تھے۔ راتوں کی نیند اُڑ جاتی تھی، اکثر صبح کو کعبہ کے قریب قریش جمع ہوتے تھے تو آپس میں ایک دوسرے سے شکایت کرتا تھا کہ شعب سے بھوکے بچوں کے رونے کی ایسی صدائیں آتی رہیں کہ ہم تو رات بھر سو نہیں سکے، کوئی کہتا کہ ان بچوں کی صدائے نالہ سن کر ہم تو اس ظالمانہ معاہدہ پر پچھتا رہے ہیں لیکن کیا کیا جائے بہر حال معاہدہ تو کر ہی چکے تھے، لہٰذا اس عہد کو کسی طرح نباہنا تو تھا ہی۔

تمام اذیتوں، تکلیفوں سے بڑی تکلیف پیغمبر اسلامؐ کو یہ رہی ہوگی کہ اس نظر بندی کی بنا پر تبلیغ اسلام میں رکاوٹ پیدا ہوگئی تھی، اس لئے کہ تقریباً شعب کی بیرونی پوری دنیا سے رسولؐ کا رابطہ منقطع ہو گیا تھا، ہاں صرف حج وعمرے کا وہ وقت تھا جب رسولؐ اور بنی ہاشم کو شعب سے باہر نکلنے کی اجازت تھی، یہی وہ وقت ہوتا تھا جب پیغمبر اسلام تبلیغی فرائض انجام دیتے تھے، مگر اس وقت بھی ابولہب حضرت کے پیچھے پیچھے رہتا تھا اور کہتا تھا کہ ان کی بات نہ ماننا یہ میرے بھتیجے ہیں (معاذ اللہ) غلط گو اور جادوگر ہیں۔

جب قریش نے دیکھا کہ بنی ہاشم ہر بڑی سے بڑی مصیبت بھی خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کر رہے ہیں لیکن اپنے موقف سے ایک انچ بھی ہٹنے پر تیار نہیں، خود بنی ہاشم کی مظلومیت ذہنوں میں ہلچل ڈالے ہی ہوئے تھی، اس قوت برداشت پر انگشت بدنداں تھے ہی، لہٰذا جیسے کہ اب اس معاہدہ کو توڑنے کے لئے کسی بہانہ کو خود تلاش کر رہے ہیں کہی ہوئی بات سے بلا سبب ہٹنا بھی اپنے لئے ننگ وعار محسوس کرتے ہیں، تو نقض عہد کے لئے بہانہ تلاش کیا جاتا ہے۔ جناب ابوطالبؑ کے پاس قریش اپنا ایک نمائندہ بھیجتے ہیں اور کہلواتے ہیں کہ ''محمدؐ کو ہمارے سپرد کر دو تاکہ ہم ان کو قتل کر دیں، اس کے بعد ہم تم کو اپنا بادشاہ تسلیم کر لیں گے'' اس پیغام کے جواب میں جناب ابوطالبؑ نے اپنا مشہور ومعروف قصیدۂ لامیہ کہہ کر قریش کے پاس بھیج دیا، جس کے چوالیس شعر ابن اسحاق سے، حافظ محمد ابن یوسف شامی نے، ''سُبُلُ الْهُدَىٰ وَالرَّشَادِ فِیْ سِیْرَةِ خَیْرِ الْعِبَادِ'' میں نقل کئے ہیں، ان کے بعد لکھا ہے کہ یہ قصیدہ بہت ہی طویل ہے، اس کے بعد حافظ عماد الدین ابن کثیر کا حسب ذیل قول نقل کیا ہے ''وَهِیَ قَصِیْدَةٌ عَظِیْمَةٌ بَلِیْغَةٌ جِدًّا لَا یَسْتَطِیْعُ اَنْ یَقُوْلَهَا اِلَّا مَن نُسِبَتْ اِلَیْهِ وَهِیَ اَفْحَلُ مِنَ الْمُعَلَّقَاتِ وَاَبْلَغُ فِی تَاْدِیَةِ الْمَعْنَیٰ ذَکَرَ فِیْهَا مَا یَتَعَلَّقُ بِالصَّحِیْفَةِ الظَّالِمَةِ الْغَیِّ کَتَبَتْهَا قُرَیْشٌ'' یہ قصیدہ بہت ہی طویل اور انتہائی بلیغ ہے جس نے کہا بس وہی کہہ بھی سکتا تھا، کسی دوسرے سے کہنا ممکن بھی نہ تھا، یہ معلقات سبعہ سے زیادہ شان وشوکت کا حامل اور ادائے معنی کے اعتبار سے معلقات سے زیادہ بلیغ ہے، اس میں قریش کے ظالمانہ عہد نامہ کا تذکرہ ہے ہم یہاں چند شعر نقل کرتے ہیں:

حَلِیْمٌ رَشِیْدٌ عَادِلٌ غَیْرُ طَائِشٍ
یُوَالِیْ اِلٰهاً لَیْسَ عَنْهُ بِغَافِلِ
فَاَیَّدَهُ رَبُّ الْعِبَادِ بِنُصْرَةٍ
وَاَظْهَرَ دِیْناً حَقُّهُ غَیْرُ نَاْصِلِ

رسولؐ کی مدح میں فرماتے ہیں کہ ''صاحب حلم، سمجھدار منصف ہے عقل کا کمزور نہیں ہے، یہ اللہ کا دوست دار ہے، خدا سے غافل نہیں ہے، بندگان خدا کے پرورش کرنے والے نے اپنی مخصوص مدد سے اس کی تائید کی ہے، دین کو پاکیزہ یا نمایاں کیا ہے، یہ دین حق ہے، باطل نہیں ہے۔

اس کے بعد کے پھر چار شعر یہ ہیں:

لَکُنَّا اتَّبَعْنَاهُ عَلٰی کُلِّ حَالَةٍ
مِنَ الدَّهْرِ جِداً غَیْرَ قَوْلِ التَّهَازُلِ
لَقَدْ عَلِمُوْا اَنَّ اَبْنَنَا لَا مُکَذَّبٌ
لَدَیْنَا وَلَا یَعْنِی بِقَوْلِ الْاَ بَاطِلِ
فَاَصْبَحَ فِیْنَا اَحْمَدُ فِیْ اُرُوْمِهِ
تَقْصُرُ عَنْهَا اَسْوِرَةُ الْمُتَطَاوِلِ
خَدِمْتُ بِنَفْسِی دُوْنَهُ وَحَمَیْتُهُ

وَدَافَعْتُ عَنْهُ بِالذُّرٰیٰ وَالْکَلاکِلِ

''ہم یقیناً زمانہ کی ہر شدت کے بعد بھی اس کے نقش قدم پر چلیں گے یہ ہمارا عہد افراط وتفریط سے بری ہے، یہ قریش خود جانتے ہیں کہ ہمارا بیٹا دین کے معاملہ میں جھوٹا نہیں ہے، اس نے کبھی فضول گوئی نہیں کی، ہمارے درمیان احمد باعتبار اصل ایسے ہیں کہ جن کی عظمت کے مقابلہ میں ہر بڑی سے بڑی مصیبت گھٹیا اور کمزور پڑ جاتی ہے، میں نے جان کی بازی لگا کر ان کو اور ان کے وقار کو بچایا ہے ان سے دشمنوں کو اپنی پشت اور سینہ کی مضبوط ہڈیوں کو پیش کر کے ہٹایا ہے۔''

مشرکین مکہ کو جب جناب ابوطالبؑ کا یہ مایوس کن، دنداں شکن جواب ملا تو ان کی امیدوں پر اوس پڑ گئی لہٰذا جُھلّا جُھلّا کر کچھ نے تو اور بھی شدت برتنا شروع کر دی اور کچھ سپر انداختہ ہو گئے، نتیجہ یہ ہوا کہ آپس ہی میں پھوٹ پڑ گئی۔

ایک مرتبہ جناب خدیجہؑ کا بھتیجہ حکیم ابن خرام اپنی پھوپھی کے لئے ایک غلام کے ہاتھ کھانا لئے جا رہا تھا، راہ میں ابوجہل سے ملاقات ہوگئی، ابوجہل نے پوچھا کہ کیا بنی ہاشم کے لئے کھانا لئے جاتے ہو؟ تم کو چاہئے کہ نہ خود جاؤ اور نہ کوئی چیز ان کے لئے لے جاؤ، کیا فائدہ کہ مکہ بھر میں تمہاری بدنامی ہو، ابوالبختری ابن ہشام ابن حارث نے جو یہ گفتگو سنی تو ابوجہل سے کہا کہ بھائی یہ اپنی پھوپھی کے لئے کھانا لئے جا رہا ہے لہٰذا اس کا راستہ چھوڑ دو، ابوجہل نے انکار کیا اسی پر دونوں میں تکرار ہونے لگی، ابوجہل زخمی ہو گیا اور خوب روند روند کر اس کو کچلا گیا۔ اس واقعہ سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ آپس میں اس بہیمانہ رویہ پر سخت مخالفت پیدا ہو گئی تھی جس کے آئندہ کے حالات میں بھی بہت سے ثبوت نظر آتے ہیں، اب مشرکین مکہ خود محسوس کر رہے تھے کہ ہم نے رسولؐ اور ان کے ہم نواؤں کے خلاف رائے عامہ ہموار کرنے کی غرض سے یہ ساری تدبیریں کی تھیں۔ ان کو ان کے موقف سے ہٹانے کے لئے اتنے پاپڑ بیلے تھے، مگر یہاں تو پانسا ہی پلٹا نظر آتا ہے نہ یہ اپنے مرکز سے ہٹے، نہ رائے عامہ ان کے خلاف ہوئی بلکہ ہمارے ہی آدمی اپنے عہد سے ہٹے جاتے ہیں، ہمارے ہی خلاف رائے عامہ ہوئی جاتی ہے، ہم ہی سے لوگ نفرت محسوس کرنے لگے ہیں، لیکن کیا کریں اب تو عہد کر چکے، (تیر از کمان رفتہ)۔

معاهده کیونکر ٹوٹا

تین یا چار سال کی طویل مدت انھیں مصائب وآلام میں گذر گئی تو ایک دن پیغمبرؐ اسلام نے جناب ابوطالبؑ سے کہا کہ چچا مجھ کو جبرئیل نے خبر دی ہے کہ مشرکین نے جو معاہدہ کیا تھا اس پر اللہ نے دیمک کو مسلط کر دیا اور دیمک نے وہ سارے ظالمانہ شرائط کھا کر ختم کر دیئے، صرف اللہ، اور میرا نام باقی چھوڑ دیا ہے جب جناب ابوطالبؑ نے یہ واقعہ سنا، تو اپنا لباس پہنا اور مسجد الحرام کی طرف روانہ ہوئے، وہاں اس وقت قریش کے کم و بیش سب ہی سر برآوردہ افراد مجتمع تھے اِدھر قریش نے جو ابوطالبؑ کو بعد مدت اپنی طرف آتے دیکھا تو آپس میں کہنے لگے کہ ''آخر ابوطالبؑ محمدؐ کی حمایت سے تنگ آ ہی گئے اب یہ اپنے بھتیجے کو ہمارے سپرد کر دیں گے، اور ہم ان کو قتل کر دیں گے، اسی تصور کے ماتحت جب اس بزم میں ابوطالبؑ پہنچے تو خوب دل کھول کر جناب ابوطالبؑ کی تعظیم وتکریم کی گئی اور کہا کہ ہم سمجھ گئے کہ آپ ہمارے ساتھ صلۂ رحم کرنے، ہماری جماعت کی رائے سے اتفاق کا اعلان کرنے اور محمدؐ کو ہمارے سپرد کرنے تشریف لائے ہیں تاکہ ہم محمدؐ کو قتل کر کے اپنا دل ٹھنڈا کریں۔ جناب ابوطالبؑ نے فرمایا کہ، خدا کی قسم میں اس غرض سے نہیں آیا ہوں بلکہ تمہارے سامنے ایک فیصلہ پیش کرنے آیا ہوں، وہ یہ کہ میرے بھتیجے نے مجھ کو اطلاع دی ہے اور میں خوب اچھی طرح یقین رکھتا ہوں کہ وہ کبھی جھوٹ نہیں بولا، اور وہ یہ کہ اللہ نے تمہارے اس نام نہاد عہد نامہ پر دیمک کو مسلط کر دیا، جس نے سوائے خدا اور محمدؐ کے نام کے کسی ایک بھی چیز کو باقی نہیں چھوڑا ہے، بس اب وہ نوشتہ منگوا لو، اور خود امتحان کر لو، اپنی نظر سے دیکھ لو، اگر اس کا بیان ٹھیک نکلے تو تم لوگوں کو لازم ہوگا کہ اپنے اس ظالمانہ عہد نامہ کو کالعدم سمجھو گے اور اگر نوشتہ درست

حالت میں نکلے، اور میرے بھتیجہ کا بیان غلط ثابت ہو، تو پھر بیشک میں اس کوتمہارے سپرد کردوں گا، تم چاہے اس کوقتل کرنا، یا جو دل چاہے سلوک اس کے ساتھ کرنا۔ یہ سن کر قریش نے کہا ہاں، تم نے بڑے ہی انصاف کی بات کہی، بس یہی فیصلہ درست ہے۔ فوراً آدمی کعبہ بھیجا گیا، آدمی جا کر تحریر لایا، سب نے پہلے اپنی اپنی مہریں دیکھیں، جب سب نے مہریں صحیح وسالم پائیں اور انسانی دست اندازی کی طرف سے بالکل، مکمل اطمینان ہوگیا، تو مہریں توڑی گئیں، اب جو دیکھتے ہیں تو حرف بحرف ابوطالب کا بیان درست نظر آتا ہے تمام شرائط کو دیمک چاٹ چکی ہے، صرف نام خدا اور رسولؐ خدا باقی ہے، یہ دیکھ کر سب نے گردنیں جھکا لیں۔ ابوطالب نے کہا اے قوم، خدا سے ڈرو اور اس ظلم وستم سے توبہ کرو، یہ کہہ کر ابوطالبؑ شانِ بے اعتنائی سے پھر شعب میں واپس تشریف لے گئے۔

وہ قریش جو پہلے ہی سے اس معاہدہ پر نادم تھے، سب یک زبان ہوگئے کہ بس اب معاہدہ ختم، جیسے مطعم ابن عدی، ابوالبختری ابن ہشام، زبیر ابن امیہ وغیرہ لیکن ابوجہل شکست فاش اٹھانے کے بعد بھی مُصر رہا کہ عہد مثل سابق برقرار رکھا جائے گا۔ شاید یہی اختلاف تھا جس کی بنا پر جناب ابوطالبؑ نے اپنے ہم خیال افراد کو جمع کیا اور کعبہ کے پردے کے درمیان کھڑے ہوکر دعا کی ''اَللّٰھُمَّ انْصُرْنَا عَلٰی مَنْ ظَلَمَنَا وَقَطَعَ اَرْحَامَنَا وَاسْتَحَلَّ مَایَحْرُمُ عَلَیْنَا'' اے خدا جن لوگوں نے ہم پر ظلم ڈھائے، ہمارے ساتھ عزیزدارانہ برتاؤ چھوڑ دیا، تو ان کے مقابلہ میں ہماری مدد فرما، وہ ہمارے لئے مباح بنا جو ہم پر حرام کردیا گیا ہے'' یعنی ہم کو آزادی عطا فرما۔ اس دعا کے بعد ابوطالبؑ تو شعب میں واپس گئے، اِدھر وہ لوگ جو عہد کو کالعدم قرار دے رہے تھے وہ غالب آئے اور جسموں پر ہتھیار سجے، شعب میں آکر تمام بنی ہاشم اور بنی مطلب کو باہر نکالا اور ان کی رہائش گاہوں تک پہنچایا وہ ابوطالبؑ کی دعا تھی یہ دعا کا اثر، وہ رسولؐ کی خبر تھی اور یہ ابوطالبؑ کا صدق رسولؐ پر یقین تھا، جس نے تین یا چار سال کی طویل مدت کے بعد پھر پیغام اسلام کو آزادی بخشی۔ بعثت کے ساتویں یا آٹھویں سال سے شروع ہوکر دسویں سال یہ عہد ختم ہوا۔

وفات حضرت ابوطالب علیہ السلام

بعثت کے دسویں سال ہجرت مدینہ سے تین سال قبل شعب سے نکلنے کے اٹھائیس دن بعد، بعض کا خیال ہے کہ پندرہ شوال کو آپ کا انتقال ہوا۔ عمر شریف آپ کی ستاسی ۸۷ سال تھی۔

''مواہب لدنیہ'' میں ہشام ابن سائب کا یہ بیان نقل کیا گیا ہے کہ ''جب جناب ابوطالبؑ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے اپنے قریب قریش کے بڑے بڑے لوگوں کو جمع کیا اور یوں وصیت فرمانا شروع کی ''اے قریش تم مخلوقات خدا میں خدا کے چنندہ افراد ہو، میں محمدؐ کے بارے میں تم کو نیک برتاؤ کی وصیت کرتا ہوں، کیوں کہ وہ قریش میں امین، اور عرب میں صدیق ہیں، وہ ہر اُن اچھائیوں کا مجموعہ ہے جن کی میں تم کو وصیت کروں گا یہ وہ بات لایا ہے جس کو دل بہر حال قبول کرتے ہیں، ہاں زبانیں بے شک انکار کرتی ہیں، وہ بھی ملامت کے ڈر سے۔ خدا کی قسم میری نگاہیں دیکھ رہی ہیں کہ فقراء اور عرب کے درویش منش افراد، صحرا نشین بدّو، کمزور وضعیف، بے سہارا لوگ اس کی دعوت اسلام قبول کررہے ہیں اس کے کلمہ کی تصدیق کررہے ہیں، اس کی بات کو وزنی تصور کرتے ہیں، ایک دن یہ ہوگا کہ یہی کمزور وبے سہارا قریش کے بڑے سے بڑے سردار کو قتل کریں گے، ان کے مکانوں کو تباہ وبرباد کریں گے، ان کے قریبی عزیزوں کو وہ ان کی حمایت میں قتل کریں گے جن کا ان سے کوئی رشتہ نہیں، لہٰذا تم کو چاہئے کہ محمدؐ کی طرف سے اپنے دلوں کو صاف رکھو اور ان کی اطاعت کرو، ان کے اشاروں پر چلو، اے گروہ قریش تم پر لازم ہے ان کے دوستوں میں رہو، ان کے حمایتیوں میں ہوجاؤ، کیونکہ خدا کی قسم جو ان کے بتائے ہوئے راستہ پر چلے گا، ان کا اتباع کرے گا وہ صرف ہدایت ہی پائے گا۔ اس کے مشکلات آسان ہوں گے، جو ان کی سیرت پر چلے گا وہ نیک بخت ہوگا، اگر مجھ کو موت مہلت دے، اجل تاخیر کرے

گی تو میں ان سے آفات وحوادث کے دور کرنے کی مہم برقرار رکھوں گا یہ کہہ کر جناب ابوطالبؑ نے وفات پائی اسلام کا یہ عظیم مددگار ۲۲ ررجب یا ۱۵ ر شوال کو اس دنیا سے اٹھا۔ پیغمبر اسلامؐ وقت آخر جناب ابوطالبؑ کے قریب آئے اور فرمایا کہ اے چچا بچپنے میں آپ نے میری پرورش کی۔ بڑے ہونے پر میری مدد کرتے رہے، یتیمی کی حالت میں میری کفالت کی، خدا ان خدمات پر آپ کو جزائے خیر دے، بہترین صلہ عطا فرمائے۔ جناب ابوطالبؑ نے پیغمبروں کی امانتیں، جناب ابراہیم کی وصیتیں (جو شاید سینہ بسینہ چلی آرہی تھیں) رسولؐ اسلام کے سپرد کیں اس کے بعد انتقال فرمایا، رسول مشایعت جنازہ کے لئے جنازہ کے ساتھ ساتھ فرماتے جاتے تھے کہ چچا آپ نے میرے ساتھ قرابت کا حق ادا کردیا۔

وفات جناب خدیجہ علیہا السلام

بخاری نے عروہ کا بیان نقل کیا ہے کہ جناب خدیجہؑ کی وفات شعب ابوطالبؑ ہی میں ہوئی۔ بعض کا خیال ہے کہ ہجرت مدینہ سے دو سال یا کچھ زیادہ پہلے جناب خدیجہؑ کی وفات ہوئی، بعض کا خیال ہے کہ ہجرت سے پانچ سال قبل وفات ہوئی، بعض کا کہنا ہے کہ وفات جناب ابوطالبؑ کے ایک مہینہ پانچ دن کے بعد جناب خدیجہؑ کی وفات ہوئی، حاکم کا بیان ہے کہ وفات ابوطالب کے تین دن بعد۔ بہرحال زیادہ معتبر یہی سمجھا جاتا ہے کہ بعثت کے دسویں سال شعب ابوطالب سے نکلنے کے بعد جناب خدیجہ کی وفات ہوئی، مقام حجوں میں آپ کو دفن کیا گیا۔ پہلے خود رسولؐ قبر میں اترے اس کے بعد خدیجہؑ دفن کی گئیں، رسولؐ نے اس سال کا نام عام الحزن رکھا اور وفات خدیجہؑ کے بعد اپنے بیت الشرف سے نکلنا بہت ہی کم کردیا تھا۔

یوں اسلام اور رسولؐ اسلام کے دو بڑے مددگار شعب ابوطالبؑ کے مصائب وآلام کا شکار ہوکر ختم ہوگئے۔

۞۞۞